itsurdu.blogspot.com

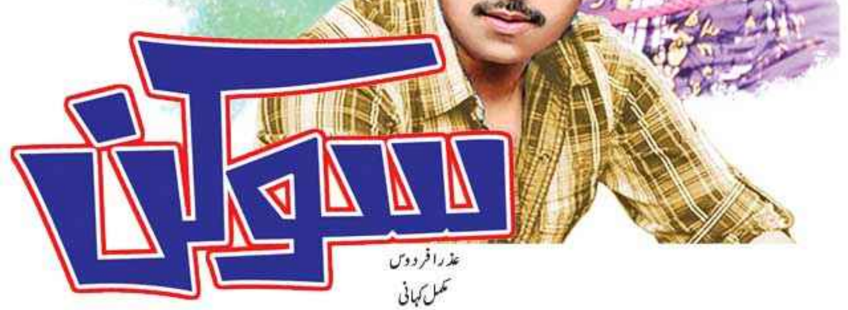

سوکن

عذرا فردوس

مکمل کہانی

“کل شادی میں عنایہ کو دیکھا تھا، وہ سب سے حسین لگ رہی تھی۔ میں نے اس کی تعریف بھی کی کہ تم بڑی دلکش لگ رہی ہو۔” ادیب نے اپنی کزن تجل کے سامنے عنایہ کی تعریف کی۔

“میں شاعر نہیں ہوں ورنہ عنایہ کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی غزل لکھوں۔”

تجل نے حیرانی سے ادیب کی طرف دیکھا۔ “اب اتنی بھی وہ حسین نہیں ہے جتنے تم اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہو۔ مجھے وہ کبھی خاص نہیں لگی۔ تمہاری خالہ زاد ہے اس لیے تمہیں وہ کچھ زیادہ ہی اچھی لگتی ہے۔ مجھے تو وہ شکل سے مسکین نظر آتی ہے، ڈریسنگ بھی اس کی فضول ہوتی ہے۔ خیر وہ بھی کیا کرے، اس کے گھر میں غربت کے سوا ہے ہی کیا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے اتنے چھوٹے اور بوسیدہ گھر میں لوگ رہ کیسے لیتے ہیں۔ میں دو تین دفعہ گئی ہوں عنایہ کے گھر، میرا تو وہاں دم گھٹتا ہے۔” تجل تلخ لہجے میں بولی۔

“تجل! مجھے تمہاری بات سن کر افسوس ہو رہا ہے۔ ایک حسین لڑکی کے بارے میں تمہارے یہ ریمارکس۔ تم اس کے حسن کے حوالے سے بات کرنے کے بجائے اس کی غربت کا حوالہ دے رہی ہو۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اس کی تعریف میں کوئی جملہ کہتیں۔”

“تمہارا ساتھ دینے کے لیے میں اس کی جھوٹی تعریف تو کرنے سے رہی۔ مجھے وہ پسند نہیں۔” تجل نے جھٹ جواب دیا۔

اسی وقت تجل کی ممی وہاں آ گئیں۔ ادیب نے انہیں سلام کیا۔

وہ بولیں۔ “یہ بتاؤ گھر میں سب خیریت تو ہے۔”

“جی چچی سب ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔” ادیب جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

“اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ کچھ چائے، ٹھنڈا پی کر جاؤ۔”

“نہیں شکریہ۔” وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

“اسے کیا ہوا؟ ابھی تو آیا تھا۔ مجھے ادیب کا موڈ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔” ادیب کے جاتے ہی ممی نے تجل سے پوچھا۔

“چھوڑیں اس کے موڈ کو۔ جتنی عزت دو، لوگ سر پر چڑھ جاتے ہیں۔ آپ کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔” تجل کی بات سن کر ممی خاموش ہو گئیں۔

ادیب کے منہ سے عنایہ کی تعریفیں سن کر تجل کا پورا دن غارت ہوا ہی رات بھی بہت خراب گزری۔ ساری رات وہ ایک عجیب سی بے چینی اور غصے کا شکار رہی۔ اسے عنایہ سے سخت رقابت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ مسلسل کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس نے کئی بار بستر سے اٹھ کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ کیا ہوا اگر وہ شکل صورت میں عنایہ سے کم تھی لیکن وہ دولت مند والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ حیثیت میں وہ عنایہ سے بہت آگے تھی۔

اس کی ممی بقول جس کے پاس دولت ہو، وہ دنیا کی ہر چیز خرید سکتا ہے۔ ممی کا نظریہ اسے غلط لگ رہا تھا۔ ادیب جیسی پُرکشش شکل و صورت کا لڑکا عنایہ کے حسن پر مرمٹا تھا۔ وہ کروٹیں بدل رہی تھی۔ پُرسکون بستر اسے کانٹوں کی سیج لگ رہا تھا۔ صبح کے وقت اس کی آنکھ لگی۔

“اٹھو بیٹا! آج آفس جانے کا ارادہ نہیں کیا؟” ممی کی آواز سن کر اس نے کسل مندی سے آنکھیں کھول دیں۔

“ممی آج میں چھٹی کروں گی۔”

“آج کیوں، تم ہمیشہ کے لیے چھٹی کر لو۔ تمہیں جاب کی آخر کیا ضرورت ہے۔ ہمارے پاس پیسوں کی کیا کمی ہے۔ تم آرام کرو۔”

ممی چلی گئیں۔

ان کے جانے کے بعد اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر اسے نیند نہیں آئی۔ وہ بستر سے اٹھی۔ جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ بغیر ناشتے گھر سے نکلنے لگی تو ممی نے اصرار کر کے اسے سینڈوچ کھلا دیا۔ اتنے میں اس کے آفس کی وین آ گئی تو وہ تیزی سے گھر سے نکل گئی۔

وین چل پڑی تو خیالات دماغ میں تیزی سے چکر لگانے لگے۔ اپنی کم تری کا احساس اس کے دل میں زخم لگا رہا تھا۔ آفس میں اس کا دن خاصا مصروف گزرا۔ شام کو چھٹی کے بعد گھر جانے کے بجائے وہ تایا کے گھر پہنچ گئی۔

ممی کو اس نے فون کر کے بتا دیا کہ وہ تائی سے ملنے جا رہی ہے۔ حسن آرا تائی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ عنایہ بھی وہاں موجود تھی۔

"اچھا ہوا تم آ گئیں، تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ ہماری بہت کم ملاقات ہوتی ہے۔" عنایہ بولی۔

سجل نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے دل کی گہرائی سے یہ محسوس کیا کہ عنایہ واقعی بہت خوبصورت ہے۔ نیوی بلیو سوٹ اس کی گوری رنگت پر خوب جچ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر کھو سی گئی۔

ادیب کے سلام کرنے کی آواز اس کے کانوں میں آئی تو اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور بے دلی سے اس کے سلام کا جواب دیا۔

"آج کیسے راستہ بھول گئیں۔ تم تو عید کے علاوہ ہمارے گھر آتی نہیں، لگتا ہے تماری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، شاید رات بھر تم سوئی نہیں ہو۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں یہ تمہارا وہم ہے۔"

"اچھا تمہاری آنکھوں سے تو یوں لگ رہا ہے جیسے تم پوری رات جاگتی رہی ہو۔"

سجل کو یوں لگا جیسے ادیب نے اس کی دل کی کیفیت جان لی ہو۔ وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ "یہ تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔ غم اور فکر مجھ پر حاوی نہیں ہو سکتے، میں خاصے مضبوط اعصاب کی لڑکی ہوں۔"

اتنے میں عنایہ شربت لے کر آ گئی، اس نے گلاس سجل کی طرف بڑھا دیا۔ سجل نے تھوڑا سا شربت پیا اور گلاس عنایہ کی طرف بڑھا کر کہا۔ "اس قدر بکواس شربت بنایا ہے تم نے انتہائی بد ذائقہ ہے۔"

"عنایہ دوسرا بنا دو۔" حسن آراء بولیں۔

"رہنے دیں مجھے نہیں پینا منہ کا ذائقہ خراب ہو گیا ہے۔" سجل تلخی سے بولی۔

عنایہ کچن میں چلی گئی۔ ادیب سجل کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"کیا میرا ایکسرے کرنا ہے جو اتنی غور سے دیکھ رہے ہو۔"

"ہاں تمہارے دماغ کا ایکسرے کرنا ہے ذرا سی بات پر اتنے غصے میں آ جاتی ہو۔"

"چھوڑو ادیب کیوں تنگ کر رہے ہو۔ سجل بیٹا تم بتاؤ کیا کھاؤ گی۔" حسن آراء نے پوچھا۔

وہ جھٹ سے بولی۔ "چکن بریانی اور شامی کباب۔"

"ٹھیک ہے تم بیٹھو میں تمہارے لیے کھانا تیار کرتی ہوں۔"

اتنے میں عنایہ آ گئی تو ادیب اس سے مخاطب ہوا۔ "تمہارا بی ایس سی کلیئر ہو گیا ہے۔ آئندہ کیا جاب کرنے کا ارادہ ہے۔"

"ابھی تو کچھ نہیں سوچا آگے کیا کرنا ہے۔"

"ویسے میرا خیال ہے تمہیں جاب نہیں کرنی چاہیے کیوں سجل۔"

"مجھے کیا پتا میں کیا نجومی ہوں۔"

"کیا بات ہے سجل۔ آج تمہارا موڈ بہت خراب ہے۔ عنایہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" ادیب نے اس سے رائے لی۔

سجل ایک دم بھڑک اٹھی۔ "ادیب! تم کوئی بات کہتے ہوئے اپنی زبان اور دماغ کو قابو میں رکھا کرو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔" ادیب کو سجل سے اس انداز اور لہجے کی توقع نہیں تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے بالکل گم صم ہو گیا۔

"عنایہ! تم نے پیزا کھایا کیسا لگا؟" ادیب نے اچانک کہا۔

”میں نے ابھی نہیں کھایا، اچھا ہوا آپ نے یاد دلا دیا۔ میں تو کھانا بھول گئی تھی۔“ وہ اندر اٹھ کر گئی اور پیزا لے کر آ گئی۔

”لو تم بھی کھاؤ نا۔“ عنایہ نے پلیٹ تجل کی طرف بڑھائی۔

”میرا موڈ نہیں ہے کھانے کا۔ ویسے بھی ادیب یہ پیزا تمہارے لیے لایا ہے۔“

”آپ لیں گے؟“ عنایہ نے ادیب سے پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں۔ دونوں مل کر کھاتے ہیں۔“ ادیب نے فوراً پیزے کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔

تجل کو عنایہ سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ ”میں تائی کے پاس جا رہی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادیب کچھ نہیں بولا۔ وہ کچن میں چلی گئی، وہاں سے ادیب کو بے تکلفی سے عنایہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ کیا ادیب، عنایہ کی زلفوں کا اسیر ہو گیا ہے۔ اسے عنایہ کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ میری شخصیت بھی نہیں۔ یہ سوچتے ہوئے اسے عنایہ سے شدید رقابت محسوس ہوئی۔

حسن آراء تائی نے جھٹ پٹ کھانا تیار کر کے لگا دیا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ گھر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

”ادیب بیٹا! تجل کو گھر چھوڑ آؤ۔“

امی کے کہنے پر ادیب، تجل کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ پرس لٹکائے جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ ”کیا جا رہی ہو اتنی جلدی؟ خیریت تو ہے؟“

”یہاں بیٹھ کر کیا کروں گی۔ تمہیں تو عنایہ کے علاوہ کسی سے بات کرنے کی فرصت نہیں۔“ تجل دل میں جنم لینے والے خیال کو چھپا نہ پائی۔

ادیب یہ سن کر کچھ دیر ہکا بکا تجل کی طرف دیکھتا رہا۔ ”آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔“ ادیب نے اپنی توہین کو نظر انداز کر کے کہا۔

وہ موٹر سائیکل پر اسے گھر چھوڑنے نکلا۔ راستے میں اس نے تجل سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس کی باتوں کے جواب میں بیزاری سے ”ہاں، نہیں“ کے علاوہ کچھ نہیں بولی۔

”اب میں چلتا ہوں۔“ گھر کے نزدیک پہنچ کر ادیب نے تجل کو اتارتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ تجل اسے گھر میں آنے کے لیے کہے گی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

پتا نہیں کیا بات ہے جو تجل اس قدر چڑچڑی ہو رہی ہے۔ واپسی پر وہ سوچ رہا تھا۔ وہ تو شروع سے ہی ایسی ہے خود غرض اور اپنے آپ میں مگن رہنے والی۔ مجھے کیا میں اسے بچپن کی دوست سمجھ کر بات کر لیتا ہوں اگر وہ اس طرح کے سخت رویے کا مظاہرہ کرے گی تو پھر مجھے اس سے ملنے کی کیا ضرورت ہے۔

اگلے لمحے اس کے اس فیصلے کو دل نے مسترد کر دیا، یہ سوچ کر کہ تجل کی کوئی ذاتی پریشانی ہو گی جس کی وجہ سے وہ اس قدر چڑچڑی ہو رہی ہے، مجھے اس کی باتوں کا برا نہیں ماننا چاہیے۔

پھر اس کا دماغ عنایہ کی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال آتے ہی ایک خوشگوار احساس اس کے دل میں اتر گیا۔ میں امی سے عنایہ کے سلسلے میں بات کروں گا وہ میری پسند پر یقیناً بہت خوش ہوں گی۔

ادیب دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ دونوں بہنیں شادی شدہ اور بیرون ملک مقیم تھیں۔ امی کا ارادہ اب ادیب کی شادی کا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کسی اور کو اس کے لیے پسند کرتیں، ادیب نے ان کو اپنی پسند سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆……☆……☆

”ادیب کہاں ہے؟“ ادیب کے ابو منیر حسین نے بڑے خوشگوار انداز میں اپنی بیوی حسن آراء سے پوچھا۔

”ابھی جاب سے لوٹا ہے، اپنے کمرے میں ہے۔ کیا میں بلاؤں اسے؟“

”رہنے دو میں اس سے اس کے کمرے میں مل لیتا ہوں۔“ منیر حسین، ادیب کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ بیڈ پر بیٹھا موبائل پر مصروف تھا۔

”ادیب بیٹا کیا ہو رہا ہے؟“ منیر حسین نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”ابو، آپ…… مجھے بلا لیتے۔“ اس نے موبائل ایک طرف رکھ کر کہا۔

”مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔“

”جی کہیں۔“ وہ فوراً ابو کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”تم تجل کو بچپن سے جانتے ہو۔ میری اور تمہاری چچی کی خواہش ہے کہ تجل کی شادی تم سے کر دی جائے۔“

ادیب غائب دماغی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کبھی تجل کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا، سانولی رنگت، چھوٹا قد اور فربہی مائل جسم کے ساتھ وہ ادیب کو متاثر کرنے میں ناکام رہی تھی۔ ادیب کا جب بھی اس سے کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو وہ دل ہی دل میں اس انجانے شخص سے ہمدردی کرتا جس کے نصیب میں تجل لکھی گئی تھی۔

”کہاں کھوئے ہوئے ہو تم! میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟“ ابو نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

وہ چونک کر بولا۔ ”ابو، میں نے تجل کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔“

”تجل بے شک تھوڑی جھگڑالو اور خود پسند ہے لیکن تم اسے سدھار لینا بیٹا۔ بہت گولڈن چانس ہے۔ تم آئندہ اپنی زندگی کو بہت آرام سے سیٹ کر سکتے ہو۔ میرا بھائی بہت کچھ بنا کر گیا ہے۔ اوپر سے تمہاری چچی نائلہ بانو کو وراثت میں بہت کچھ ملا ہے۔ اکلوتی اولاد ہونے کے ناتے سب کچھ تجل کو ہی ملے گا۔“

”مگر ابو میں تو کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔“ اس کے دل کی بات لبوں پر آ گئی۔

”اس کا خیال ذہن سے نکال دو زندگی گزارنے کے لیے صرف محبت ہی کافی نہیں، پیسہ بھی ضروری ہے۔ میں نے ساری زندگی مشقت میں گزاری پھر بھی بیوی، بچوں کو کیا دے سکا۔ اپنا گھر تک نہیں بنا سکا۔ میں چاہتا ہوں تمہیں کبھی زندگی میں دولت کی کمی محسوس نہ ہو۔ تم میری بات پر غور کرنا اور جذباتی ہونے کے بجائے عقل سے کام لینا۔“ منیر حسین اٹھ کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد ادیب ان کی بات پر غور کرنے لگا۔ پھر جانے کب، کیسے، کس طرح اسے تجل اچھی لگنے لگی۔ ادیب کو تجل سے زیادہ اس کی دولت میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ اب وہ اسے جھگڑالو لگ رہی تھی اور نہ ہی معمولی شکل و صورت کی۔ وہ اس سے شادی کے لیے راضی تھا۔ اس نے عنایہ سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

اگلا دن اتوار کا تھا حسن آراء ناشتے کے بعد دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ تب ہی ادیب نے انکشاف کیا کہ وہ ابو کی پسند سے تجل سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

”تجل سے؟“

”جی امی......!“

”ادیب کیا ہو گیا ہے تمہیں، کہاں تم، کہاں تجل! شادی عمر بھر کا بندھن ہوتا ہے۔“

”جی امی۔ مجھے معلوم ہے آپ انکار مت کریں۔“

”میں نے تمہارے لیے عنایہ کو سوچا تھا۔ یتیم بچی ہے۔ تم اپنے ابو کو منع کر دو میں اس معاملے میں بولوں گی تو خواہ مخواہ گھر میں جھگڑا ہو گا۔ مجھے تمہاری شادی تجل سے ہرگز نہیں کرنی۔ ایک ہی بیٹے ہو تم میرے شادی کے بعد اپنی چچی کے ہو کر رہ جاؤ گے۔“

”امی پہلے میرا ارادہ بھی عنایہ سے شادی کا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر میں نے تجل کے لیے اپنے آپ کو تیار کیا ہے۔“

”ہوں۔“ حسن آراء نے ایک لمبی سانس لی۔ ”تمہاری چچی نائلہ نے ہمیشہ میری کم حیثیتی کا مذاق اڑایا ہے۔ اس عورت نے کوئی موقع ہمیں ذلیل کرنے کا نہیں گنوایا۔ شاید اس لیے کہ میں خوبصورت اور پڑھی لکھی تھی اور یہ دونوں خوبیاں تمہاری چچی میں ناپید تھیں۔ میں سب کچھ کر سکتی تھی مگر اپنے نصیب میں لکھی تنگدستی کو دور نہیں کر سکتی تھی۔“

”اسی تنگدستی کو میں دور کرنا چاہتا ہوں۔ ابو نے مجھے یہی بات سمجھائی ہے۔ میں نے سوچ سمجھ کر تجل سے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ خاصی معقول ہے۔“

حسن آراء حیرت سے ادیب کو دیکھ رہی تھیں۔ ”ٹھیک ہے جب تم تجل سے شادی کے لیے تیار ہو تو میں کون ہوتی ہوں انکار کرنے والی۔ تم باپ بیٹا اپنی مرضی چلاؤ۔“ وہ ایک دم غصے میں آ گئیں۔

مگر ادیب کو ان کی ناراضی کی پروا کب تھی، حسن آراء اس وقت تو خاموش ہو گئی تھیں مگر وہ فیصلہ کر چکی تھیں کہ اس معاملے میں وہ ادیب کو مزید سمجھائیں گی۔ انہوں نے بعد میں ادیب کو بہت سمجھایا مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہیں آیا۔

اس کی خوشی کی خاطر وہ تجل کو بیاہ کر لے آئیں۔ شادی کے چند دن بعد ہی ادیب کو احساس ہو گیا کہ اس نے تجل سے شادی کر کے خسارے کا سودا کیا ہے۔ جیسے جیسے دن گزر رہے تھے، تجل کے ”جوہر“ کھل رہے تھے۔ وہ ایک زبان دراز عورت تھی۔ اس کی دی ہوئی ہر تکلیف ادیب کو برداشت کرنا تھی۔ اور وہ صبر سے کام لے رہا تھا۔ یہ سوچ کر کہ جن رشتوں کی بنیاد لالچ پر ہو، وہ کیسے سرسبز ہو سکتے ہیں۔ تجل کا تکبر ادیب کو پانے کے بعد بڑھ گیا تھا۔ عنایہ کو اس نے شکل و صورت میں کمتر ہونے کے باوجود شکست دے دی تھی، یہ احساس اسے اندر تک مسرور کر دیتا کہ اس نے زندگی میں جو چاہا، پا لیا تھا۔

☆......☆......☆

عنایہ چارپائی پر بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ وہ بے حد حساس لڑکی تھی۔ اس نے گھر کے حالات کبھی بہتر نہ دیکھے تھے۔ ابو کی ازلی لاپروائی نے کبھی گھر میں خوشحالی نہ لانے دی۔ انہوں

نے گھر میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ انہیں جوئے کی لت تھی۔ وہ گھر کی چیزوں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے ذرہ بھر بھی نہیں شرماتے تھے۔ امی سلائی کرکے اور بچوں کو پڑھا کر گھر کا خرچ چلاتیں۔ امی کے پیسوں پر ابو کی نظر ہوتی۔ مہینوں محنت مشقت سے بچائے گئے چند سو روپے منٹوں میں خرچ ہو جاتے۔

اس کے دل میں ہوک سی اٹھتی کہ کاش ابو بھی اوروں کی طرح نوکری کرتے تو ان کے گھر میں غربت نہیں ہوتی۔ ابو کے رویّے نے گھر میں بے اطمینانی کی فضا پیدا کردی تھی۔ وہ میٹرک میں تھی تب ابو کی وفات ہوگئی۔ امی پہلے بھی گھر چلا رہی تھیں، اب بھی بڑھتی عمر کے ساتھ وہ دن رات کمانے کی فکر میں لگی رہتیں۔

عنایہ سے چھوٹی بہن طیبہ کی بات انہوں نے طے کردی تھی۔ عنایہ کے حوالے سے اس کی امی جہاں آرا کو ایک آس تھی کہ شاید ان کی بہن حسن آراء اسے ادیب کے لیے مانگ لے۔ حسن آراء کی باتوں سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا مگر ادیب کی شادی کے بعد ان کی یہ آس ٹوٹ گئی تھی۔

”عنایہ! جاؤ سبزی والے سے دو کلو آلو لے لو۔“ امی کی آواز کچن سے آئی تو وہ اپنی سوچوں کے حصار سے باہر نکلی۔ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی وہ گیٹ پر پہنچی تو سبزی والا جا چکا تھا۔

”امی! سبزی والا آگے نکل گیا ہے خیر تو ہے امی کوئی مہمان آرہا ہے؟“ عنایہ نے امی کو کباب بناتے دیکھ کر ان سے پوچھا۔

”ہاں آج تمہارے رشتے کے لیے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ میں نے سوچا گھر میں چھولے اور کباب بنا لیتی ہوں۔ عنایہ میں تمہاری طرف سے بڑی فکر مند تھی۔ شام کو ذرا ڈھنگ سے تیار ہوجانا اور اچھے کپڑے پہن لینا۔“ جہاں آراء نے ہدایت دی۔

شام کو رشتے کرانے والی رشیدہ خالہ ایک خاتون اور ان کی بیٹی کو لے کر آئیں۔ جہاں آراء کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انہیں پلکوں پر بٹھالیں۔ وہ خاتون مسز ملک نخوت سے گھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کی تیوریوں کے بل سیدھے نہیں ہو پا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تواضع کے لیے رکھی گئی چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

”لڑکی کو بلائیں۔“ انہوں نے جہاں آراء سے کہا۔ طیبہ فوراً عنایہ کو لے کر آگئی۔ ”لڑکی تو خاصی خوبصورت ہے۔“ مسز ملک پُرشوق نظروں سے عنایہ کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بیٹی سمیعہ نے عنایہ سے رسمی سوالات کیے، جاتے جاتے مسز ملک پسندیدگی کا اظہار کر گئیں۔

ان کے جاتے ہی جہاں آراء، رشیدہ خالہ سے لپٹ گئیں۔ ”آپا! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی، اتنے اچھے گھر کا رشتہ تم میری عنایہ کے لیے لے کر آئی ہو۔“

”جہاں آراء دعا کرو بخیر و عافیت یہ رشتہ طے پا جائے۔ تمہاری بیٹی کے نصیب کھل جائیں گے۔“

”آمین۔“ وہ بے اختیار بولیں۔

☆……☆……☆

”کل رات امی نے کھانے پر بلایا ہے اس لیے میرا وہاں جانا ضروری ہے۔“

”ہرگز نہیں۔“ ادیب کی بات سن کر ناشتہ کرتی تجل غصے میں بولی۔ ”میں نے اپنی سہیلیوں کی دعوت کل رکھی ہے، تمہارا گھر پر موجود رہنا ضروری ہے ظاہر ہے وہ اکیلی تو نہیں آئیں گی۔ میں نے پوری فیملی کو انوائٹ کیا ہے۔ تم کل رات کہیں نہیں جاؤ گے۔“

”کیوں نہیں جاؤں گا تم نے مجھ سے پوچھ کر دعوت رکھی ہے۔“ ادیب کو تجل کی بات سن کر غصہ آگیا۔

”مجھے تم سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے ماں باپ کی طرح میرے ماں باپ کنگلے نہیں تھے، اتنا کچھ میرے لیے بنا کر رکھا ہے کہ میں پیسے کے لیے تمہاری محتاج نہیں ہوں۔“ تجل نے فوراً طعنہ دیا۔

ادیب کا دل چاہا اس کو اس بدتمیزی کے جواب میں دو تھپڑ جڑ دے۔ اس نے میز پر پڑے ڈیکوریشن پیس کو اٹھایا اور دھڑ سے فرش پر دے مارا۔

”اتنا قیمتی شو پیس تم نے توڑ ڈالا، اس کی قیمت کا تمہیں کیا پتا، کبھی خود کچھ خریدا ہو تو معلوم ہو۔ تمہارا بس چلے تو تم مجھ پر بھی ہاتھ اٹھاؤ۔“

”مجھے تمہارے منہ نہیں لگنا۔“ ادیب نے بریف کیس اٹھایا اور کار میں جا بیٹھا۔ سارے راستے وہ غصے میں کھولتا رہا۔ بس بہت ہوگیا میں آج جاتے ہی اس پر تین حرف بھیج دوں گا۔ ادیب نے ایک بار پھر فیصلہ کیا۔

وہ تجل کے رویّے سے تنگ آگیا تھا، اٹھتے بیٹھتے وہ اسے ذلیل کرتی رہتی تھی۔ صبح صبح وہ امی کے گھر پہنچ گیا۔ امی اسے دیکھ کر نہال ہوگئیں وہ فوراً اس کے لیے چائے بنا کر لے آئیں۔

”امی! آپ نہیں جانتیں کہ میں کس عذاب میں مبتلا ہوں۔ میں تجل کی زبان درازی سے تنگ آگیا ہوں۔ دن بہ دن اس کی بدتمیزیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ روز سوچتا ہوں کہ اسے طلاق دے کر فارغ کردوں۔“ ادیب نے اپنی اندرونی کیفیت امی کو بتائی۔

”میں جانتی ہوں کہ تم کس عذاب میں مبتلا ہو۔ ان تین سالوں میں تمہیں احساس ہوگیا ہوگا کہ تم نے تجل سے شادی کرکے کتنا غلط فیصلہ کیا ہے۔ میں اس کے مزاج کو سمجھتی تھی اس

itsurdu.blogspot.com

لیے میں نے تم دونوں کو شادی کے فوراً بعد علیحدہ کر دیا۔ وہ جیسی بھی ہے، میں تمہیں اسے طلاق دینے کا مشورہ نہیں دوں گی۔"

"امی......! میں کیا کروں، کہاں جاؤں، میں تھک گیا ہوں۔"

"میں دعا کر رہی ہوں خدا بہتر کرے گا تمہاری اولاد ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نجل مصروف ہو جائے گی۔ بلاوجہ تم سے نہیں الجھے گی۔" حسن آراء نے سمجھایا۔

"امی یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ چچی کے لاڈ پیار نے نجل کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ وہ اپنے سامنے ہر ایک کو حقیر اور کمتر سمجھتی ہے۔"

"اس وقت تم غصے میں ہو، اس لیے جذباتی ہو رہے ہو۔ یہ بتاؤ تم نے جو نیا بزنس شروع کیا تھا، وہ کیسا چل رہا ہے۔" انہوں نے گفتگو کا رخ موڑا۔

ادیب کا موڈ بہتر ہو گیا، وہ انہیں اپنے بزنس کے متعلق بتانے لگا۔

☆......☆......☆

"رشیدہ آپا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو، اتنے آرام سے تم نے کہہ دیا کہ لڑکے کو رشتہ قبول نہیں۔" جہاں آراء، رشیدہ خالہ کی بات سن کر ایکدم غصے میں آ گئیں۔

"میں نے تو وہی کہا جو مسز ملک نے مجھ سے کہا۔ ان کو اور ان کی بیٹی کو تمہاری عنایہ پسند آ گئی تھی مگر لڑکے نے اعتراض کر دیا کہ وہ اپنے جاننے والوں کو کیا بتائے گا کہ اس کے سسرال والے کس جگہ رہتے ہیں اور کس قدر غریب لوگ ہیں۔ بھئی ان بڑے لوگوں کے نخرے، بہت ہیں۔ میری مانو تو سفیان کے گھر والوں کو ہاں کر دو۔"

"کیسے ہاں کر دوں، عنایہ کو سفیان پسند نہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے خود بھی پسند نہیں، وہ کماتا کیا ہے۔ میری طرح میری بیٹی کی زندگی بھی سسکتے ہوئے گزرے گی۔"

"تمہاری مرضی تم جس جگہ چاہے اپنی بیٹی کا رشتہ کرو میں چلوں۔ مجھے دوسرے گھروں میں بھی جانا ہے۔" رشیدہ خالہ چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی عنایہ کمرے میں آ گئی جہاں آراء سبزی کاٹنے میں مصروف تھیں اسے دیکھتے ہی بولیں۔ "میں نے رشیدہ آپا سے کہہ دیا ہے کہ تمہارے لیے کسی امیر فیملی کا رشتہ لے کر آئیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ طیبہ کی شادی کر دوں۔ خواہش تو میری یہ تھی کہ تم دونوں بہنوں کو ایک ساتھ رخصت کروں مگر اس کے سسرال والوں کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔"

"امی آپ کو میری ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ آپ طیبہ کی شادی کی تیاری کریں۔ لائیں یہ سبزی مجھے دیں، میں بنا دیتی ہوں۔" وہ ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

جہاں آراء اس کے درد کو محسوس کرتے ہوئے اداس ہو گئیں۔ دل میں وہ پُر امید تھیں کہ وہ بہت جلد عنایہ کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گی مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔

وقت کچھ آگے سرکا تو عنایہ کے لیے رشتے آنے بند ہو گئے، وہ اٹھائیس برس کی ہو چکی تھی۔ ایک دن حسن آراء ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے اپنا دردان کے سامنے بیان کیا۔

"میری خواہش تھی کہ عنایہ میری بہو بنے مگر میں تمہارے بھائی اور ادیب کے آگے بے بس ہو گئی۔ ادیب اپنی شادی شدہ زندگی سے خوش نہیں ہے۔ اگر اولاد ہوتی تو بات الگ تھی، اب تو ڈاکٹروں کی طرف سے جواب مل گیا ہے۔ اس لیے میں ادیب کی دوسری شادی اس کی رضامندی سے کرنا چاہتی ہوں۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو ادیب کے لیے عنایہ مانگنا چاہتی ہوں۔ تم عنایہ کی مرضی معلوم کر لو۔"

جہاں آراء نے حیرت سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔ "مگر باجی! نجل کے ہوتے ہوئے یہ شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ ادیب کو دوسری شادی کی اجازت دے دے گی یہ ناممکن ہے۔"

"اس سے کون اجازت لے رہا ہے۔ ایک دفعہ شادی ہو لینے دو۔ وہ بھلے ہی ہنگامہ کرتی رہے، اسے ساتھ نہیں رہنا تو وہ علیحدگی اختیار کر لے۔ ادیب تو بہت پہلے اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ میں نے ہی اسے اس اقدام سے باز رکھا تھا۔" حسن آراء نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی تو وہ مزید کچھ نہیں بولیں۔

وہ سوچ رہی تھیں کہ عنایہ کو اس رشتے کے لیے آمادہ کرنا مشکل نہ ہو گا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ عنایہ، ادیب کو پسند کرتی تھی، مگر اس وقت حالات اس کے حق میں نہیں تھے، مگر اب قدرت نے دوبارہ موقع دیا تھا جسے جہاں آراء ہرگز کھونا نہیں چاہتی تھیں۔

☆......☆......☆

نجل شدید غصے میں تھی۔ ادیب کی عنایہ سے نکاح کی خبر اسے مل چکی تھی اور یہ خبر ایسی تھی کہ اس پر وحشت طاری ہو گئی تھی۔ فون پر اس نے ادیب سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے گھر کا رخ تب ہی کرے جب وہ عنایہ سے اپنے تعلق کو ختم کر دے ورنہ اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا تمہیں سمجھداری سے اس معاملے کو سنبھالنا تھا۔ اس طرح تو تمہارا شوہر تم سے اور دور ہو جائے گا۔" ممی نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میں اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گی اور نہ ہی ادیب سے طلاق لوں گی۔ عنایہ کو میں کبھی معاف نہیں کر سکتی، اس نے مجھ سے میرا شوہر چھینا ہے، اس کی شروع سے ادیب پر نظر تھی۔ وہ ایک بدنیت اور بدکردار عورت ہے۔"

"وہ جیسی بھی ہے، ادیب نے اپنی مرضی سے اس سے شادی کی ہے۔ ادیب پہلے بھی اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ تم سے اس نے کبھی محبت کی نہیں صرف دولت کے لیے شوہر کے

رشتے کو نبھاتا رہا۔"

"ممی! آپ میرے زخموں کو مت کریدیں۔ شادی سے پہلے بہت سے لڑکے دوسری لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں۔ قصور ادیب کا نہیں عنایہ کا ہے۔ ماں بیٹی نے مل کر میرے شوہر کو گھیرا ہے۔ کاش! عنایہ مر جائے ادیب دوبارہ میرا رخ کرے گا۔ عنایہ نے میری زندگی برباد کردی ہے۔ اب دنیا میں میرے لیے کچھ نہیں رہا۔" سجل ہذیانی انداز میں بولی۔ اس کی ممی نائلہ بانو اس کے درد کو محسوس کرتے ہوئے مزید کچھ نہیں بولیں۔ وہ سجل کی ضدی طبیعت اور بدزبانی سے واقف تھیں۔

"ادیب کو اولاد کی خواہش تھی تو کوئی بچہ گود لیا جاسکتا تھا مگر اس نے کبھی مجھے اس کمی کا احساس نہیں دلایا۔" سجل بڑبڑائی۔

"سجل...... تم نے کبھی اپنے شوہر کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، جو کچھ ہوا ہے اس میں تم بھی برابر کی ذمہ دار ہو۔ میرا مشورہ مانو ادیب کو بلالو، میں بیمار رہتی ہوں، مجھے کچھ ہوگیا تو تم بالکل اکیلی ہوجاؤ گی۔"

"ہرگز نہیں، عنایہ کو طلاق دے کر وہ اس گھر میں آسکتا ہے۔" سجل اٹل لہجے میں بولی۔

اس دن کے بعد سے اس نے پھر کبھی ادیب کو فون نہیں کیا۔ ادیب نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے رویئے کو تبدیل کرے لیکن سجل اپنے فیصلے پر قائم رہی۔ اس کی سرد مہری کو دیکھتے ہوئے ادیب نے اس سے ہر تعلق ختم کرلیا۔

سال تیزی سے گزر رہے تھے، اچانک سجل کی والدہ نائلہ بانو کا انتقال ہوگیا۔ اس موقع پر سجل کی ادیب سے ملاقات ہوگئی۔ تدفین کے بعد جب ادیب کمرے میں داخل ہوا تو اس پر نظر پڑتے ہی سجل کو چکر آ گیا۔ اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔ ذرا دیر بعد اس نے ہاتھ ہٹائے تو ادیب اس کے قریب بیٹھ چکا تھا۔ اس نے سجل کا ہاتھ تھاما اور اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

سجل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، ادیب کی آنکھیں آج بھی ویسی ہی نیلگوں اور سحر کردینے والی تھیں، اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ادیب کی دلکشی میں ذرا فرق نہیں آیا تھا بلکہ ان برسوں میں وہ مزید جاذبِ نگاہ ہوگیا تھا۔

"عنایہ باہر کھڑی ہے تم کہو تو میں اسے بلالوں۔" ادیب کی آواز میں گمبھیرتا تھی۔ "کیا ہم اس غمزدہ دن ماضی کی باتوں کو نہیں بھلا سکتے؟"

سجل ایک بار پھر کانپ اٹھی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور بولی۔ "ہرگز نہیں...... میں عنایہ سے نہیں ملوں گی۔"

ادیب اٹھا اور چپ چاپ چلا گیا اور پھر ایک اور تدفین کا موقع آ گیا۔ جب نہ چاہتے ہوئے سجل کا عنایہ سے آمنا سامنا ہوگیا۔ یہ تدفین ادیب کی تھی، ادیب کی موت نے سجل کے دل میں ویسا ہی درد کا طوفان اٹھا دیا جو اس وقت اٹھا تھا جب اس نے بتایا تھا کہ اس نے عنایہ سے شادی کرلی ہے۔

ادیب کی موت کی اطلاع ملتے ہی وہ فوراً عنایہ کے گھر پہنچی۔ عنایہ اسے دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھی اور سجل کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سسکنے لگی۔ اس نے سجل کے کاندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔

کچھ دیر دونوں یوں ہی کھڑی رہیں، پھر سجل نے یہ طویل خاموشی توڑی۔ "اب تمہیں محسوس ہوا ہوگا کسی کو کھو دینے پر کیسا دکھ ہوتا ہے۔"

"پلیز سجل!" عنایہ نے سسکی بھری۔ "اب تو اتنی ظالم نہ بنو، ایسے غمزدہ وقت میں مجھے کوئی الزام نہ دو۔ مجھے ہمدردی کی ضرورت ہے، میں لٹ گئی ہوں۔"

وہ دونوں ساتھ بیٹھ گئیں۔ ادیب کی بیوی ہونے کے ناتے لوگ انہیں پُرسہ دینے لگے۔ تدفین کے بعد سجل نے عنایہ کے گھر کو بغور دیکھا۔ سجل، عنایہ کے مکان کی شان و شوکت اور زیب و زینت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ نچلے درجے کی عورت کو اوقات سے بڑھ کر مل گیا، خود کو میرے برابر کا سمجھنے لگی ہے۔ سجل دل میں بڑبڑائی۔ اسے عنایہ سے رقابت محسوس ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

سجل نے چالیسویں کے بعد عنایہ کے گھر نہ جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ایک دن عنایہ کا فون آ گیا، رسمی بات چیت کے بعد وہ سجل سے کہنے لگی۔ "بہت دن ہوگئے تم میرے گھر نہیں آئیں۔"

"کیا فائدہ تمہارے گھر آنے کا، میں اپنے گھر میں خود کو پُرسکون محسوس کرتی ہوں۔" سجل نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"سجل تم بہت اچھی ہو۔ بالکل میری بہن کی طرح ہو۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میری ادیب سے شادی ہونے پر تمہیں بے حد دکھ پہنچا ہے مگر یقین کرو تم ادیب کی پہلی اور آخری محبت تھیں۔ اس نے مجھ سے شادی محض اولاد کے لیے کی تھی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم دونوں ایک ساتھ رہیں۔ یہ ادیب کی خواہش تھی جو اس کی زندگی میں پوری نہ ہوسکی۔ تم میرے مکان میں جس کمرے میں رہنا چاہو رہو تم گھر کی ہر چیز میں شریک بن سکتی ہو۔"

عنایہ کی بات سن کر سجل سوچ میں پڑ گئی۔ عنایہ کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟ ہاں ٹھیک تو ہے انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ادیب نے جو کچھ کمایا، اس پر بیوی ہونے کے ناتے سجل کا بھی حق تھا جو عنایہ نے چھین لیا تھا اور اس کے شوہر پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

"بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو ادیب نے جو گھر تمہارے لیے لیا تھا، بیوی ہونے کے ناتے میرا بھی اس پر حق ہے میں اکیلے رہتے رہتے اکتا گئی ہوں، جب تک امی تھیں تو بات الگ تھی، میں جلد بتا دوں گی کہ میں کب تمہارے پاس آؤں گی۔"

"سچ مجھے یقین نہیں آ رہا تم میرے ساتھ رہو گی، کاش یہ سب کچھ ادیب کی زندگی میں ہوتا۔ اس کی شدید خواہش تھی میری دونوں بیویاں ایک ساتھ رہیں۔" عنایہ یہ کہتے ہوئے آبدیدہ ہو گئی۔

"او کے خدا حافظ۔" سجل نے فون رکھ دیا اور سوچنے لگی کہ اس نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ صحیح ہے یا نہیں۔

☆……☆……☆

ایک ماہ کے مختصر وقت میں سجل، عنایہ کے گھر میں شفٹ ہو گئی۔ عنایہ کے ساتھ رہتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اسے عنایہ کو معاف کر دینا چاہئے۔

"اگر تم چاہو تو مجھ سے ادیب کے بارے میں باتیں کر سکتی ہو۔" اس نے ایک رات عنایہ سے کہا۔ "اس طرح شاید تمہارا دکھ کچھ کم ہو سکے، میرا خیال مت کرنا۔"

"اب کہنے کے لیے کیا ہے سوائے اس کے کہ ہم پانچ سال تک میاں بیوی کی حیثیت سے رہے اور اب ادیب ہمیشہ کے لیے چلا گیا ہے۔"

"تم مجھے کچھ ایسی چیزیں دکھا سکتی ہو جو ادیب نے تمہیں دی تھیں۔"

عنایہ فوراً الماری سے زیورات کا بکس نکال لائی۔ "کیا یہ تمہیں ادیب نے دیئے تھے۔" سجل زیورات دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس میں سے کچھ چیزیں میں نے خریدی تھیں کچھ ادیب نے۔" سجل قدرے جوشیلی آواز میں بولی۔ "اتنے قیمتی زیورات تم نے گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں لاکر میں رکھو۔ حیرت ہے اتنے بیش قیمت زیورات کی موجودگی میں تمہیں چور، ڈاکوؤں کا ڈر نہیں۔ کیا اس کے علاوہ بھی اور زیورات تم نے گھر پر رکھے ہوئے ہیں۔"

"ہاں یہ انگوٹھی جو میں پہنے ہوئے ہوں، یہ ادیب نے مجھے منہ دکھائی میں دی تھی۔"

سجل کی نظر عنایہ کی انگلی میں پھنسی ہوئی انگوٹھی پر گئی جو ہیرے کی قیمتی انگوٹھی تھی۔ وہ اس انگوٹھی کے مقابلے میں بہت بیش قیمت تھی جو اس نے سجل کو دی تھی۔

"تمہارے پاس تو بہت قیمتی جیولری ہے ایسی جیولری ادیب نے مجھے تو کبھی نہیں دی۔ میری ممی اکثر یہ بات کہا کرتی تھیں کہ ادیب نے محض دولت کی وجہ سے مجھ سے شادی کی ہے۔ مجھے اس بات سے سخت چڑ ہوتی تھی۔ میں اچھی خاصی قبول صورت ہوں ادیب مجھے پسند کرتا تھا، وہ کبھی دوسری شادی نہیں کرتا، تائی نے تم سے شادی کروا کے میرے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی مگر حاصل کیا ہوا، کچھ بھی نہیں۔"

"سجل پلیز گزشتہ باتوں کو مت دہراؤ۔ ادیب تمہیں بہت چاہتا تھا، تمہاری ممی کی بات میں کوئی سچائی نہیں۔" سجل سمجھ گئی کہ عنایہ کے لیے یہ ذکر گراں ہے اس نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

ایک دن عنایہ کہیں گئی ہوئی تھی۔ سجل نے فطری تجسس سے مجبور ہو کر اس کی میز کی درازیں کھنگالنا شروع کر دیں۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں اسے دو تین برتھ ڈے کارڈ ملے جن پر بڑی عجلت میں تحریریں لکھی گئی تھیں۔ اس رات سجل نے وہ کارڈ نکالے جو ادیب نے منگنی سے شادی کے دوران اسے دیئے تھے۔ دونوں کارڈز میں اس نے سجل کو "جان سے زیادہ عزیز" لکھا تھا۔ ان کارڈز کو شادی کے بعد سجل نے بالکل نہیں پڑھا تھا مگر اب وہ بڑے اطمینان سے پڑھ رہی تھی۔ "بے چارہ ادیب! خاموش طبع اور شرمیلا اپنے جذبوں کا اظہار تحریر میں کر سکتا تھا نہ زبان سے۔" سجل کارڈ پڑھنے کے بعد بڑبڑائی۔

اگلے دن وہ عنایہ سے باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک اس نے پوچھا۔ "تمہاری اولاد کیوں نہیں ہوئی؟ تم نے کسی ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔"

"ہاں ڈاکٹر کو دکھایا تھا اس نے ہم دونوں کو نارمل قرار دیا تھا خدا کو منظور نہیں تھا۔" عنایہ نے یاسیت سے کہا۔

"ادیب کو بچوں کا بڑا شوق تھا۔ شادی کے بعد وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اسے تین بچے چاہئیں، اتنی کم عمری میں وہ دنیا سے چلا گیا آج کل کینسر کا علاج ہو جاتا ہے پھر بھی وہ اس مرض سے نہیں لڑ سکا۔" سجل کے لہجے میں افسردگی آ گئی۔

"ڈاکٹروں نے بہت کوشش کی، آپریشن بھی کیا مگر وہ آپریشن کے بعد ہوش میں نہیں آیا۔"

عنایہ کی بات سن کر سجل سوچنے لگی اگر عنایہ کو کینسر ہوتا اور وہ مر جاتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ ادیب دوبارہ اس کے پاس لوٹ آتا۔ "وہ ہمیشہ تمہارا گرویدہ رہا۔ تمہارے دکھی ہونے کا سوچ کر وہ

پریشان ہو جایا کرتا تھا۔ اکثر تمہارے بارے میں بات کرتا تھا۔ ہو سکے تو تم مجھے معاف کر دو میری وجہ سے تمہیں دکھ پہنچا۔"

"سچ پوچھو تو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔" سجل نے کہا اور اسے خود پر حیرت ہونے لگی۔ "میرے خیال میں جو کچھ تم نے کیا تھا، اس کی تمہیں سزا مل چکی ہے۔ ایک روکھی پھیکی شادی، ایک ایسے شوہر کا ساتھ جو مسلسل پہلی بیوی کے متعلق باتیں کرتا تھا اس کی باتوں سے تمہیں مجھ سے حسد تو محسوس ہوتا ہوگا۔"

"ہاں ظاہر ہے۔ مجھ سے شادی کرنے کے باوجود اس کی روح تمہارے قبضے میں تھی۔"

سجل کے چہرے پر اطمینان پھیل گا وہ ادیب کی پہلی اور آخری محبت تھی اس احساس نے اسے اندر تک مسرور کر دیا۔

☆……☆……☆

رات کا پچھلا پہر تھا سجل کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ اسے رات کے سناٹے میں آوازیں سنائی دیں۔ قدموں کی چاپ، پھر کوئی دروازہ زور سے کھولنے کی آواز۔

"یقیناً کوئی چور ہے میں نے عنایہ سے کہا تھا کہ چوکیدار رکھ لے مگر وہ میری سنتی کب ہے۔ اب اپنے بستر پر پڑی سو رہی ہوگی۔" سجل بڑبڑاتی ہوئی بستر سے اٹھی اس کا کمرہ اوپر تھا۔ سلیپر پیر میں ڈالتے ہوئے وہ دبے قدموں طویل راہداری میں چلتی عنایہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔

عنایہ کا بستر خالی تھا، اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا، چاند کی روشنی میں اسے گھر کے باہر ایک کار کھڑی نظر آئی، نیچے جس کمرے میں ادیب کا سامان رکھا تھا، اس کمرے کی کھڑکی میں تیز زرد روشنی نظر آ رہی تھی۔ خوف کی سرد لہر اس کے جسم میں اتر گئی۔ اس نے اپنے خوف پر قابو پایا اور زینے کی طرف بڑھ گئی۔

زینے تک پہنچتے ہی اس نے نیچے سے ایک زوردار آواز سنی۔ جیسے کسی نے شیشے کی کوئی بھاری چیز دیوار پر دے ماری ہو۔ ایک چیخ، پھر دوڑتے قدموں کی آواز آئی۔ سجل زینے کے سرے پر پہنچ گئی، اس نے ایک دبلا پتلا وجود باہر گیٹ سے نکلتے دیکھا، پھر گیٹ لاک ہونے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی سناٹے میں کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ بھاگنے والا اپنے پیچھے خون کی ایک لکیر چھوڑ گیا تھا۔ سجل اس لکیر کے ساتھ ساتھ چلتی ادیب کے اسٹڈی روم میں آ گئی۔

عنایہ میز کے پاس کھڑی تھی، الماری کی درازیں کھلی ہوئی تھیں اور اس میں رکھا سارا سامان فرش پر بکھرا پڑا تھا۔ عنایہ کا جسم واضح طور پر لرز رہا تھا۔ اس کے آنسو رخساروں پر تھے۔ وہ ہسٹریائی انداز میں ہنس رہی تھی۔

سجل کو دیکھ کر اس نے فرش پر بکھرے شیشے کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے اسے شیشے کا بھاری گلدان کھینچ مارا اس کا سر پھٹ گیا اور پھر وہ بھاگ گیا۔"

سجل نے قریب جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور نرمی سے پوچھا۔ "تم ٹھیک تو ہو؟"

"اس نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بس میں اندر آئی تو اس نے اپنا پستول میری طرف تان لیا، مگر میں نے ذرا پروا نہیں کی۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کوئی میری چیزوں کو ہاتھ لگائے۔ میری ذاتی چیزوں پر نظر ڈالے۔ کیا میں نے بہادری کا مظاہرہ نہیں کیا؟ وہ یہاں سے کوئی خاص چیز نہیں لے جا سکا۔ بس سونے کی چھوٹی موٹی جیولری لے گیا۔ میں نے اس پر گلدان کھینچ مارا تو وہ دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلا۔"

سجل کچھ نہیں سن رہی تھی۔ وہ اس خط کو پڑھ رہی تھی جو اس سامان کے ڈھیر پر کھلا پڑا تھا۔ یہ خط ادیب کی طرف سے تھا۔ تحریر کسی قدر ہلکی مگر واضح تھی۔

"جان سے عزیز عنایہ! یہ خط تم میرے آپریشن کے بعد پڑھنا۔ اس خط کے ذریعے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری اس پانچ سالہ شادی شدہ زندگی میں تم نے مجھے اتنی خوشیاں دی ہیں کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں اس لطف و عنایت اور محبت کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں جو تم نے مجھ پر اس تمام عرصے میں نچھاور کی۔ مجھے اولاد نہ ہونے کا کوئی غم نہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کاش میں امی کی بات پہلے مان لیتا اور سیٹ ہونے کے لالچ میں آ کر سجل سے شادی نہ کرتا تو مجھے تمہاری حسین رفاقت کے مزید سال میسر ہوتے۔ سجل جیسی خود پسند اور مغرور بیوی سے دوری بہتر ہے۔ آگے حالات کیا ہوں گے، یہ خدا جانتا ہے۔ مائی ڈیئر وائف! میں آپریشن کے بعد زندہ نہ بچ سکوں تو پلیز! میری جدائی کے غم کو دل پر مت لے لینا۔ خدا نے چاہا تو ہم اگلے جہاں میں ضرور ملیں گے۔ اس خط کے ذریعے میں اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں ساتھ ہی تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم دنیا کی واحد عورت ہو جسے میں نے دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے۔"

خط ختم ہوتے ہی سجل کے کانوں میں عنایہ کی آواز آئی۔ "یہ تم میرے خط کو کیوں پڑھ رہی ہو، کسی کے پرسنل خط کو نہیں پڑھنا چاہیے۔ میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں چلو مجھے پولیس کو انفارم کرنا ہے۔"

"ہاں ضرور۔" سجل نے خواب زدگی کے سے عالم میں کہا اور فرش پر پڑا ہوا پستول اٹھا لیا۔ "تم چور سے تو بچ گئیں مگر میرے انتقام سے نہیں بچ سکو گی۔" سجل ہذیانی انداز میں بولی۔ اس نے پستول کا رخ عنایہ کی طرف کر دیا۔

عنایہ خوف سے پیچھے ہٹی۔ سجل کی کیفیت دیکھ کر اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ موت کے خوف سے وہ پیلی پڑ گئی۔

اسی وقت کمرے میں فائر کی آواز گونجی۔ گولی عنایہ کے دل کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔

☆……☆……☆

سجل پولیس اسٹیشن میں بیٹھی تھی۔ اس نے پولیس کو جو بیان دیا تھا، اس کے مطابق جب وہ نیچے پہنچی تھی تو چور عنایہ کو گولی مار کر فرار ہو گیا تھا اور اس نے گھبراہٹ کے عالم میں پستول اٹھا لیا تھا۔

انسپکٹر رفیع نے اس کا بیان سن کر اسے گھور کر دیکھا پھر بولا۔ ''مسز سجل! آپ کہانی اچھی گھڑ لیتی ہیں مگر آپ کی کہانی پر اس وقت اعتبار کیا جاتا جب چور باہر نکلتے ہی نہ پکڑا جاتا وہ جیسے ہی آپ کے گھر سے نکل کر دوسری گلی میں پہنچا، نقاہت کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا اگلی گلی میں موجود گارڈ صورتحال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا تب ہی اسے کسی گھر میں فائر کی آواز سنائی دی۔''

انسپکٹر رفیع اتنا کہہ کر سجل کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ ''عنایہ کو آپ نے قتل کیا ہے سوکن ہونے کے ناتے، آپ کو اس سے نفرت تھی، آپ جس آگ میں جل رہی تھیں، اس آگ کو بجھانے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ تھا عنایہ کی موت……! اور یہ موقع آپ کو چور نے فراہم کر دیا۔ آپ کیا سمجھ رہی تھیں اپنی سوکن کو قتل کر کے خود زندہ بچ جائیں گی۔ مجرم چاہے کتنا چالاک ہو، قدرت جب اسے سزا دینا چاہتی ہے تو پولیس کو ثبوت مل جاتا ہے۔ بہتر ہو گا کہ آپ اپنی زبان سے اپنی سوکن کے قتل کا اعتراف کر لیں ورنہ مجبوراً ہمیں آپ پر سختی کرنا پڑے گی۔ ہمارے آگے بڑے سے بڑا مجرم زبان کھول دیتا ہے۔''

سجل نے بے بسی سے انسپکٹر کی طرف دیکھا اور ہذیانی انداز میں چلائی۔ ''ہاں میں نے عنایہ کو قتل کیا ہے وہ تھی ہی اس قابل مجھے جھوٹی تسلی دے کر وہ میرے جذبات سے کھیل رہی تھی۔ مجھے اسے بہت پہلے مار دینا چاہیے تھا، مگر حقیقت مجھے کل معلوم ہوئی اس کی وجہ سے مجھے جو ذہنی صدمہ ہوا، وہ میرے لیے ناقابلِ یقین، ناقابلِ برداشت تھا۔'' سجل نے اتنا کہہ کر سر جھکا لیا۔

انسپکٹر رفیع کے لیے اس کا اقبالِ جرم اہم تھا وہ دل میں خود کو داد دے رہا تھا۔ جس چور کی گرفتاری کو ظاہر کر کے اس نے سجل سے اعترافِ جرم کروایا تھا، وہ ابھی تک مفرور تھا۔

(ختم شد)

itsurdu.blogspot.com